یکم فروری ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۵

اس شمارے میں

اداریہ

حیات اللہ انصاری کو ساہتیہ اکاڈمی کا انعام

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہسال کا ساہتیہ اکاڈمی کا انعام ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۸ء اور ۱۹۶۹ء کی بہترین اردو کتاب پر حیات اللہ انصاری کے ناول 'لہو کے پھول' کو دیا گیا ہے۔ یہ ضخیم ناول چھبیس سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں ۱۹۱۱ء سے لے کر پہلی پنج سالہ منصوبہ بندی تک ہندوستان کے درد و داغ اور سوز و ساز، آرزو اور جستجو کا ایک جیتا جاگتا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ہیرو اور ہیروئن جنگ آزادی کے شاہ پیر نہیں، بلکہ وہ عام آدمی ہیں جنھوں نے گاندھی جی کی قیادت میں، اپنی جد و جہد اور قربانیوں سے ہندوستان کو آزاد کرایا۔ ناول پریم چند کی آدرشی حقیقت نگاری کی روایت کے مطابق لکھا گیا ہے اور اس میں بڑی صداقت اور گہرائی ہے۔ اپنی غیر معمولی طوالت کے باوجود، یہ ناول ہمارے لئے غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ اس میں کسانوں، متوسط طبقے کے لوگوں، نوابوں، راجاؤں، قومی کارکنوں، سیاسی تحریکوں، سبھی کے نقشے ملتے ہیں۔ حیات اللہ انصاری ہمارے چوٹی کے افسانہ نگاروں میں ہیں۔ قومی آواز کے ایڈیٹر کی حیثیت سے انھوں نے اردو صحافت کی بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور انجمن ترقی اردو ہند نے اردو کی بقا اور ترقی کے لئے جو کوشش کی ہے اس میں بھی حیات اللہ انصاری کا نمایاں رول رہا ہے خصوصاً دستخطی مہم کے سلسلے میں انھوں نے جو کام کیا ہے وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ ہم حیات اللہ انصاری کو اس انعام اور اعزاز پر صدق دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

جوش ملسیانی، ساحر لدھیانوی اور تاباں کو اعزاز

اب کے یوم جمہوریت کے موقع پر صدر جمہوریہ کی طرف سے اردو کے تین ممتاز شاعروں حضرت جوش ملسیانی، ساحر لدھیانوی اور غلام ربانی تاباں کو پدم شری کا اعزاز عطا ہوا ہے۔ جوش ملسیانی داغ کے شاگرد اور استاد فن ہیں۔ انھوں نے پنجاب میں اردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے اور سیکڑوں کو شاعری اور فن کے آداب سکھائے ہیں۔ ساحر لدھیانوی اور تاباں بھی ہمارے ممتاز اور مقبول شعراء میں سے ہیں۔ ساحر نے نظم میں اور تاباں نے غزل میں بجا شہرت حاصل کی ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ حکومت نے ان حضرات کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔ اس سے ان شاعروں کی ادبی منزلت نہیں بڑھتی، ہاں یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ حکومت ممتاز ادبی خدمات کا اعتراف کرتی ہے، جو یقیناً زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے۔

اشاعت کی تاریخیں: ۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

قلمین وساتھی، اس ہفتے میں اردو دنیا کو تین ممتاز ادبی شخصیتوں سے جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

حضرت روشؔ صدیقی۔

اردو کے ان ممتاز شاعروں میں تھے جو تقریباً چالیس سال سے ہمارے مشاعروں، ہمارے ادبی رسالوں اور ہماری ادبی اور شعری نشستوں کا ایک اہم رکن سمجھے جاتے تھے۔ حضرت روشؔ نے اختر شیرانی کے ساتھ ہی اپنی رومانی نظموں کی بنیاد پر شہرت حاصل کی، ان کی نظموں میں ہماری کلاسیکل شاعری کا وزن و وقار تھا اور ہمارے دور کے خیالات و محسوسات اور تحریک آزادی اور وطن پرستی کے جذبات کا عکس تھا۔ گاندھی جی کی شہادت پر ان کی نظم، ایک ایسا ادبی کارنامہ ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ روشؔ صدیقی نے ادھر نظموں کے علاوہ غزلوں پر بھی توجہ کی تھی، ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ محراب غزل کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور انجمن ترقی اردو ہند نے ان کے کلام کا ایک انتخاب بھی شائع کیا تھا، ضرورت ہے کہ ان کی نظموں کا بھی ایک انتخاب جلد شائع ہو۔

روشؔ اردو، فارسی کے علاوہ ہندی ادب سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے پڑھنے کے انداز میں ایک خاص جوش تھا۔ وہ بڑے وضعدار آدمی تھے اور ان کا حلقۂ احباب بڑا وسیع تھا۔ ان کی عمر ساٹھ اکسٹھ سے زیادہ نہ ہوگی اس پر اور زیادہ افسوس ہے کہ ایک مشاعرے کے دوران ان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ روشؔ نے اردو شاعری کو جو کچھ دیا ہے وہ نہایت قابل قدر ہے۔ خدا روشؔ کی قبر کو نور سے بھر دے۔

جناب احترام الدین شاغل۔

جناب احترام الدین شاغل سے انجمن ترقی اردو ہند سے تعلق رکھنے والے سبھی واقف ہوں گے۔ مرحوم ہماری راجستھان کی شاخ کے جنرل سکریٹری تھے اور در اصل اس کے روح رواں۔ وہ اردو کے ایک ممتاز مصنف اور شاعر بھی تھے۔ تذکرہ شعرائے جے پور اور صحیفۂ خوشنویساں ان کی قابل قدر تصانیف ہیں۔ خصوصاً موخر الذکر کتاب خوش نویسی کے فن پر بہت اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔ شاغل صاحب ایک اچھے شاعر اور خوشنویس بھی تھے۔ انھوں نے جس طرح راجستھان میں اردو تحریک کو چلایا اور جس طرح کارکنوں کو جمع کیا اور ان سے کام لیا، اس کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔ ان کے انتقال سے ہم ایک ممتاز مصنف، ایک قابل قدر انسان اور ایک بے مثال قومی کارکن سے محروم ہو گئے، خدا انھیں اپنی رحمت بے پایاں سے سرفراز کرے۔

عابد علی عابد۔

عابد علی عابد پطرس اور تاثیر کے ساتھیوں میں سے تھے اور لاہور کے ادبی حلقوں کی جان تھے، برسوں دیال سنگھ کالج کے پرنسپل رہے اور پھر مجلس ترقی ادب کے سکریٹری اور رسالہ صحیفہ کے اڈیٹر۔ انھوں نے اصول انتقاد پر نہایت اچھی کتاب لکھی ہے اور اقبال پر بھی ان کی تصنیف نہایت قابل قدر ہے۔ عابد علی عابد صحیح معنی میں استاد فن تھے، ان کی معلومات بہت وسیع تھیں اور ان کا ادبی ذوق نہایت پاکیزہ۔ ان کے انتقال سے پرانی نسل کا ایک اور ممتاز فرد ہم سے جدا ہو گیا۔ خدا مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

فروغ شمع جو اب ہے رہے گا یہی دنیا تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

ماہانہ اخبار آزاد قلم کا اجرا

اردو میں ادبی اخبارات کی کمی کو پورا کرنے کے لئے رامپور یو۔ پی سے آزاد قلم کے نام سے ایک ماہانہ اخبار جاری کیا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد اردو میں ادبی سازشوں، ادبی چوریوں اور چور بازاریوں اور ادبی گروہ بندیوں کے خلاف نبرد آزما ہونا ہوگا۔ اس اخبار کے مستقل عنوانات یہ ہیں۔ ۱۔ لوح (اداریہ)، ۲۔ آئینہ کیوں نہ دوں، ۳۔ مدرسہ ۴۔ جائے استاد، ۵۔ چہ دلاور است دزدے، ۶۔ اور زبان خلق (مراسلات) جدید کے ساتھ قدیم ادب کے نمائندہ انتخابات کو بھی جگہ دی جائے گی۔ اس کا سالانہ چندہ ۵ روپے ہے۔ سعید الرحمان اڈیٹر آزاد قلم رامپور کے پتے پر نگارشات بھیجی جا سکتی ہیں۔

نمونے کے پرچے کے لئے پچاس پیسے کے ٹکٹ ضرور بھیجے جائیں

• ادارہ آزاد قلم

فرخ جلالی

تہذیب الاخلاق کی یاد

شخص یا اداروں کے صد سالہ جشن منانا اب ایک روایت بنتا جا رہا ہے ابھی ملک میں اتنا تہذیبی شعور عام نہیں ہوا ہے کہ کتابوں اور اخبار و رسائل کے اثر پر نظر پہنچے۔ ہمیں اس پیکرے سے نکلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہے جہاں مستی کو ہستی سے بدلنا پڑتا ہے آج سے سو سال پہلے سر سید احمد نے لندن کا سفر تفنن کے لئے نہیں تفریح کے لئے کیا تھا اور وہ اکیاون برس کے تھے اور لندن میں بہت جلوے تھے مگر انھوں نے بصیرت کا انتخاب کیا۔ سر سید لندن سے بہت سے تحفے اہل وطن کے لئے لائے جس میں قومی تعلیم کا نیا تخیل اور منصوبہ ایک تحقیقی کتاب اور اردو ادب کے لئے ایک مستقل پیغام!

تہذیب الاخلاق:-

تہذیب الاخلاق کا خوبصورت سا بلاک انھوں نے لندن میں ہی بنوا لیا تھا۔ تہذیب الاخلاق سے نصف صدی قبل اردو میں اخبار نکل رہے تھے ان میں بہت سے خبر اور اڑتی کہانیوں کے حامل تھے نظر ان کی قسمت میں نہ تھی یہ راہ کے نشانات دے رہے تھے چراغ منزل کوئی نہیں تھا۔ تہذیب الاخلاق کا انگریزی کا نام ہم کو بتاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا سماجی مصلح (MOHAMMADAN SOCIAL REFORMER) تھا مگر یہاں سماجی اصلاح کا وہ جزوی اور ابتدائی تصور نہیں تھا جو اس وقت کے ہندوستان میں عام تھا۔

۱۸۵۷ء کے مضبوط مغربی تسلط کے بعد سماجی اصلاح اور تعلیم اور ترقی کے مسائل کھل کر سامنے آ گئے تھے جیسے ہندوستان سے باہر کا سفر کرنا چاہیے! یا روایتی تنگ نظری کے دوسرے مسائل۔ ۱۸۷۰ء تک اس جہت میں شمالی ہند میں کافی کام ہو چکا تھا۔

مگر اس دور کے ہندوستانی مسلمان کچھ ایسی مشکلات سے دوچار تھے جو کئی اعتبار سے ملک کے دوسرے فرقوں سے مختلف تھیں، ایک خاص قسم کی مذہبی قدامت پرستی، مصنوعی احساس برتری معاشی بدحالی، سیاسی ابتری اور اسی طرح کی کئی تعلیمی اور ذہنی پریشانیوں میں مبتلا تھے، سر سید نے لندن میں دیکھا کہ علوم اور صنعت کی ترقی اور قوت کے پیچھے اخبار اور رسائل کی زبان، طرز اور موضوعات کے تنوع نے ذہنی افق کو بہت کچھ وسیع کیا ہے۔ سر سید میں "غور و فکر کا جو مادہ" تھا۔ اس نے اس خیال کو تقویت پہنچائی کہ نظم کے جادو سے زیادہ اب نثر کے سادہ حسن کے شیدائی مل سکتے ہیں صنعتی تہذیب میں تکلف کو فرصت کم ہوتی ہے اور سادگی کو بھی خوبی اور رعنائی سمجھا جاتا ہے۔ سر سید جو تاریخ اور تہذیب کے جلال اور جمال سے آگاہ تھے۔ انھوں نے تہذیب الاخلاق کو ایک ادارہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہ اردو کا پہلا اخبار ہے جس میں نظر کو خبر پر ترجیح دی گئی اور جس کے اثر اور مخالفت نے ایک طوفان بپا کر دیا مگر اس طغیانی اور بھونچال سے بہت سے خزانے ابل پڑے۔ تہذیب الاخلاق کے اجرا اور اشاعت سے تعمیر اور ترقی کی ایک رو چل پڑی جس کا اثر ہر دور کی ادبی تحریکوں پر محسوس کیا گیا ہے۔ سر سید نے تو تہذیب الاخلاق میں سب سے زیادہ مضمون لکھے اور کبھی کبھی ان کو تنہا نگاری بھی کرنا پڑی۔ مگر انھوں نے مضمون نگاروں کا ایسا گروہ پیدا کیا جس کے گلے میں قدامت کی تسمہ پائی نہیں تھی بلکہ جس کے ہاتھوں میں جدت اور دانائی کا پھریرا تھا۔

سید محمود، سید مہدی علی محسن الملک، چراغ علی عنایت رسول، وقار الملک، ذکا اللہ، وحید الدین سلیم، عبد الحق اسدی، الاعظمی (شبلی) اور دوسرے ادیبوں نے تہذیب الاخلاق کے مختلف ادوار میں اپنے اپنے موضوعات پر مضامین لکھے ان سب کی نثر سادہ ہے مگر محض سلیس نہیں ہے کیونکہ ان کے موضوعات اعلیٰ اور غور و فکر کے دلکش نمونے ہیں اور لطف یہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے کا ضمیمہ نہیں ہے۔ تہذیب الاخلاق

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

حرمت الاکرام

آنسوؤں کا بوجھ

کروں التجا کیا کہ لمحات کا قافلہ کب رکا ہے؟
تمہیں سے کہوں گا کہ ٹھہرو
زیادہ نہیں، صرف لمحہ دو لمحہ
(یہ دو ایک لمحہ بھی ہو جائے گا جاوداں میرے سینے کی پہنائیوں میں)
نہ جاؤ کہ اک بار اور اس طرح دیکھ لوں جیسے پہلے کبھی تم کو دیکھا نہیں،
چند قطرے جو سینے سے پلکوں پہ آنے کو بیتاب ہیں اُڑتی چنگاریوں کی طرح
ان کی تقدیر کا فیصلہ کر کے جاؤ
انھیں اپنے آنچل کی زینت بناؤ کہ زادِ سفر اور کوئی نہیں اس سے بہتر،
دکھی ہو مری ہی طرح تم بھی، یہ جانتا ہوں
(جہاں میں کوئی خوش بھی ہے یا نہیں؟ کون جانے)
وہ چہرہ جو اس گندمی خال و خط کے اُدھر
جل گئے آنسوؤں کی خراشیں لئے منتظر ہے کسی چارہ گر کا
اُسے خوب پہچانتا ہوں

مرے پیار کو اپنے دکھ سونپ دو، اور اس کے سوا کیا کہوں کیا کروں!
اس زمانے میں یہ بھی بڑی چیز ہے
کس میں جرأت کہ وہ دوسرے سے کہے
لاؤ بوجھ آنسوؤں کا مجھے سونپ دو

ڈاکٹر نورالسعید اختر

کرشن بھگتی اور شاہ تراب چشتی

شاہ تراب چشتی ترنامل (مدراس) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام عبداللطیف تھا۔ دکن کے صوفیائے کرام میں شاہ تراب چشتی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کی نصف درجن سے زیادہ منظوم تصانیف ہیں۔ بارہویں صدی ہجری میں سارے دکن پر تصوف کے سرمدی بادل چھائے ہوئے تھے۔ شاہ تراب چشتی نے بھی اسی ابرِ نیساں سے خوشہ چینی کی۔ انھوں نے اچھوتے پیرایہ میں تصوف کے رموز و نکات کو نظم کی لڑیوں میں گوندھا وہ اسلامی تصوف کے ساتھ ساتھ اہل ہنود کے مذہبی فلسفے اور عقائد سے بھی بخوبی واقف تھے۔ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ نہایت وسیع تھا۔ ان کے پیر و مرشد پیر پادشاہ حسینی بھی صوفی کامل تھے۔ انھیں کے فیض تربیت اور سایہ عاطفت میں شاہ تراب نے راہ معرفت کی منزلیں طے کی تھیں۔

شاہ تراب صحیح معنوں میں ہندو مسلم ایکتا کے نقیب تھے۔ ان کی تصانیف مذہبی یگانگت اور پیار و محبت کے گنگا جمنی میل جول کی مظہر ہیں۔ آج تک ان کی صرف ایک نظم "من سمجھاون" ڈاکٹر سیدہ جعفر کی کاوشوں کے بعد زیور طباعت سے آراستہ ہو سکی ہے ان کی تین مثنویاں اور کچھ غیر مطبوعہ کلام راقم کی کوششوں سے عنقریب اردو کے متعدد رسائل میں شائع ہوگا ذیل کی غزل اس غیر مطبوعہ کلام[1] سے لی گئی ہے جو انجمن ترقی اردو (ہند) کے کتب خانے میں موجود ہے۔

شاہ تراب چشتی کو آج تک صرف اردو کا شاعر سمجھا گیا۔ راقم کی تحقیق کے مطابق ان کو ذولسانی شاعر تصور کیا جائے تو بیجا نہیں ہوگا۔ ذیل کی غزل اس امر کی غماز ہے۔ علاوہ ازیں راقم نے انھیں کی ایک نظم "گیان سروپ" بھی مرتب کی ہے جس کے بیشتر بند ہندی میں ہیں۔

شاہ تراب چشتی نے اپنی غزلوں، نظموں اور قصائد میں جہاں حضرت علیؓ کی مدح سرائی کی ہے وہیں کرشن سے اپنی والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار بھی کیا ہے۔ شاہ تراب کی کرشن بھگتی کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے "رام اور رحیم" کے تفاوت کو مٹانے کی جسارت کی ہے۔ ذیل کی غزل کا مقطع اس قول کے مد نظر قابل غور ہے۔ اس غزل میں شاہ تراب نے ہندو فلسفے کی نادر تشبیہیں اور تلمیحات استعمال کی ہیں جن کی توضیح فٹ نوٹ میں کر دی گئی ہے۔

[1] مجموعہ کلام شاہ تراب چشتی مملوکہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ

غزل

۱۔ لگا ہے دل مرا اوس سوں کہ جو مرلی مراری ہے
سلونا سانولا دلبر گرڑ[1] جس کی سواری ہے

۲۔ بجا مرلی نے مرلی آگیا من باولا سیرا
او گوبند دھنا اروں کی دہن مرلی کی پیاری ہے

۳۔ چتر بھجہ نام ہے اس کا کہ جس کو لیلا اسدیو کہتے
چھبیلی چھپ او داموور کی تربھنگ پیاری ہے

۴۔ سہنس[2] سرجس اونگرین ہوے سب پاس ابھگاں دور
ابھوگی بھوگ لے سب کا اگوچر[3] برم چاری ہے

۵۔ یہ نگر اپیہ کا کل کھلی جگدیش مادھو کے
پریشاں شانہ کیوں نہ ہوئے کہ رنگ تارتاری ہے

۶۔ مراری کی مروت چھوڑ داموور کے درسن کا
چوے جا کہنا سو سنگ شیش وہی اب لگ خماری ہے

۷۔ سونا ایدیش گر کنش میں مکند ہے نام ہرجی کا
تو اس کا بولنا اُستت نہ ہے خدمت گزاری ہے

۸۔ چرانا بن میں گوں سارے او بندرابن کرکل پوش
او سی گوپال مرلی دھر سوں، کہ جس مرلی کی ساری ہے

۹۔ نا ہندو نا مسلماں کے او سنہرا قید میں ہر گز
تراب مبتلا کے تئیں دیا جب بے قراری ہے

(۱) عقاب (EAGLE) کرشن کی سواری (۲) ایک ہزار (۳) جو نظر نہ آئے (۴) جھکا (۵) پیر کامل (۶) مُنا (۷) گل گرد۔ مرشد۔ (۸) مکھ = مکھ = منہ (۹) پرستش (۱۰) بلا۔

نوٹ: کرشن کے ایک ہزار نام ہیں جن میں سے مندرجہ بالا غزل میں سولہ نام استعمال کئے گئے ہیں (مرلی، مراری، سلونا، گوبند، جناردن، چتربھجہ، واسدیو، داموور، تربھنگی، گوپی، جگدیش، مادھو، مکند، ہری، بندرا، گوپال۔

ا۔ جناردن: بھکتوں پر مہربانی کرنے والا۔ ب۔ واسدیو: کرشن کے باپ کا نام وسودیو تھا لہٰذا انھیں واسدیو کے نام سے یاد کیا گیا۔ ج: داموور: ایک بار کرشن کی ماں نے انھیں رسّی سے باندھ دیا تھا رسّی کے بل کے نشانات کرشن کے پیٹ پر پڑ گئے تھے۔ اس نے انھیں داموور کہا جاتا ہے۔ د۔ چتربھجہ: چار ہاتھوں والا۔ ہ۔ تربھنگی: بانسری بجاتے وقت کرشن کے جسم میں تین بل پڑ جاتے تھے۔ اسی لئے انھیں تربھنگی کہا جاتا ہے۔ و۔ مادھو: کرشن نے مدھو نامی راکھشس کو مار دیا تھا۔ اسی بنا پر انھیں مادھو کہا جاتا ہے۔ ز۔ مکند: کرشن کے بچپن کا روپ جو مایا سے الگ ہے۔

مراسلات

نودریافت خطّی دیوانِ غالب کے بارے میں

(۱)

اپریل ۱۹۶۹ء میں بھوپال میں دیوانِ غالب کا جو نسخہ دریافت ہوا ہے، وہ ادبی حلقوں میں کافی دلچسپی اور بحث و مباحثہ کا موضوع بنا ہوا ہے۔ لیکن اس نسخے کے نام کے بارے میں ابھی تک اتفاق نہیں ہو سکا ہے۔ الگ الگ ناقدین نے اپنے اپنے مصالح اور دلائل کے پیش نظر اس نسخے کو الگ الگ ناموں سے موسوم کیا ہے مثلاً نسخۂ امروہہ، بیاضِ غالب، نسخۂ بھوپال ثانی وغیرہ۔ جیسا کہ "ہماری زبان" میں ۱۹۶۹ء میں شائع ہونے والے اپنے ایک مراسلے میں عرض کر چکا ہوں، اس مخطوطے کو "نسخۂ امروہہ" سے موسوم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ "بیاضِ غالب" کے سلسلے میں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ اس خطی نسخے کی نوعیت محض ایک بیاض کی نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل مرتب دیوان ہے جس کی ترتیب اور کتابت ایک پورے دیوان کا اہتمام واضح ہے۔ نسخۂ بھوپال ثانی کی اصطلاح میں بھی التباس کے احتمالات ہیں۔ اگست ۱۹۱۸ء میں بھوپال کی حمیدیہ لائبریری میں غالب کا جو خطی دیوان دریافت ہوا تھا اور جس کو بعد میں نسخۂ حمیدیہ میں شامل کیا گیا اسے آج ناقدین بالاتفاق "نسخۂ بھوپال" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء میں دریافت ہونے والے خطی دیوان کو تاریخِ دریافت کو پیش نظر رکھتے ہوئے "نسخۂ بھوپال ثانی" کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ محققین قیاس کرتے ہیں کہ نودریافت خطی دیوان ۱۹۱۸ء میں دریافت شدہ مخطوطے سے قبل تحریر کیا جا چکا تھا، نودریافت دیوان کو تقدمِ زمانی حاصل ہوتا ہے اور تاریخی اعتبار سے نودریافت دیوان کو نسخۂ بھوپال اوّل کہا جانا چاہیے۔

کچھ عرصے سے بعض محتاط ناقدین اس مخطوطے کے لئے "نودریافت دیوانِ غالب" جیسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن اس وضاحتی فقرے میں اصطلاح کا اختصار نہیں ہے اور اگر جلد یا بدیر کلامِ غالب کا کوئی اور قلمی نسخہ دریافت ہو جاتا ہے تو اس وقت موجودہ نسخے کے ساتھ "نودریافت" کی صراحت کو برقرار رکھنا مزید دشوار ہو جائے گا۔

ان پیچیدگیوں کے مدنظر یہ مناسب ہوگا کہ محققین و ناقدین ایسے نام پر اتفاق کریں جو نودریافت خطی نسخے کی کسی امتیازی خصوصیت کی جانب نشاندہی بھی کر سکے اور کسی التباس کا سبب بھی نہ بنے۔ میری رائے میں اس مخطوطے کو "نسخۂ اسد" کے نام سے موسوم کرنا بہتر ہوگا کیونکہ اس مخطوطے کی سب سے اہم امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جہاں جہاں مقطعوں میں تخلص استعمال کیا گیا ہے وہ اسد ہی ہے اور جن مقطعوں میں تخلص محذوف ہے وہاں بھی لفظ "اسد" موزوں معلوم ہوتا ہے اور ان میں سے بعض مقطعوں کو بعد کے نسخوں میں اسد تخلص کے ساتھ منتقل بھی کیا گیا ہے۔

اس مخطوطے میں شامل ایک غزل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ غالباً میر امانی اسد کی ہے۔ اگر اس امر کی توثیق ہو جاتی ہے کہ یہ غزل یا بعض دوسری غزلیں یا پورا دیوان اسد اللہ خاں غالب کا نہیں بلکہ کسی دوسرے شاعر کا ہے تو بھی مخطوطے کی امتیازی خصوصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور "نسخۂ اسد" کی اصطلاح کارآمد رہے گی۔

بھوپال۔ ● سید حامد حسین

(۲)

تعارفاً عرض ہے کہ میں اتنی اردو جانتا ہوں کہ "ہماری زبان" کا مطالعہ متواتر کرتا رہتا ہوں اور اس کے علاوہ آپ کی متوازن تنقید کا معترف بھی ہوں شاعری کا نہیں۔

مگر یقین کیجئے۔ "ہماری زبان" میں غالب اور غالب کے دیوان کا ذکر اس حد تک ہوا ہے اور جاری ہے کہ دل گھبرا گیا ہے یوں جیسے بہت لذیذ کھانا کھا لینے کے بعد زبردستی منہ میں نوالے ٹھونسے جا رہے ہوں۔ آپ ادب میں افادیت کے کبھی قائل رہے ہیں۔ غالب کا اوڑھنا بچھونا بند کر دیا جائے تو بہتر ہوگا تاکہ کم سے کم غالب جیسا منفرد شاعر "روزمرہ" کی چیز نہ بنے۔ اردو ادب میں آپ کی برگزیدگی کے اعتراف کے ساتھ۔

گوالیار ● شمیم احمد

غالب کی بھوپال والی غزل

جناب نثار احمد فاروقی نے ہماری زبان بابت ۱۵ر دسمبر ۷۰ء میں بھوپال والی غزل کے بارے میں ڈاکٹر ابو محمد سحر کے قول سے اختلاف کیا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ غزل کسی پرانے شاعر کی غزل نہ تھی اور فی الحقیقت اپریل فول کے سلسلے میں ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی مگر پھر بھی آج سے بارہ تیرہ برس پہلے غالب سے منسوب کر کے دیوانِ غالب میں شامل کر دی گئی تو ڈاکٹر ابو محمد سحر کے قول میں ذرا بھی مبالغہ نظر نہیں آتا۔

جناب نثار احمد فاروقی کی رائے میں اس غزل کو اصلی یا جعلی قرار دینے کی حسب ذیل تین صورتیں ہو سکتی تھیں۔

۱۔ اصل ماخذ کا حصول

۲۔ غالب کے سفرِ بھوپال کا حوالہ

۳۔ غالب کے رنگِ سخن کی شہادت

مگر ان میں سے آخری دو صورتیں ہرگز قابلِ اعتبار نہیں کہی جا سکتیں غالب کے سفرِ بھوپال کے حوالے یا رنگِ سخن کی شہادت کے باوجود بھی اس غزل کو غالب کی غزل مان لینا سخت غلطی ہوتی۔ صحیح معنوں میں پہلی صورت ہی تحقیقی نقطۂ نظر سے اس کی اصلیت کا پتہ لگانے کے لئے ضروری تھی مگر اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ دیوانِ غالب مرتبۂ مالک رام کے شائع ہوتے ہی اصلیت کا پتہ چل جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ

اصل نسخہ کا حصول زیادہ مشکل نہ تھا۔ ہاپوڑ نے یہ غزل "دین و دنیا" سے نقل کردی تھی اور دین و دنیا نے اسے ایک غیر معروف شخص کے نوٹ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ یہ قطعاً لازمی نہ تھا کہ اس غزل کو بغیر تحقیق کے دیوان غالب میں شامل کردیا جاتا۔ اب اگر اسے ڈاکٹر ابو محمد سحر اردو تحقیق کا سب سے حیرت انگیز واقعہ کہتے ہیں تو وہ حق بجانب ہیں۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر نے دوسرے موضوعات پر قابل قدر کام کرنے کے علاوہ غالبیات کے بعض پہلوؤں پر بڑے پرزور اور اہم مضامین لکھے ہیں۔ ان کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی بلکہ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں ابھی تک بے لاگ تحقیق و تنقید کے لئے زمین ہموار نہیں ہوسکی۔

بھوپال • اشتیاق احمد

عبدالباری آسی اور غالب کی غزلیں

جناب نثار احمد فاروقی کا مراسلہ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۰ء کے شمارہ ہماری زبان میں شائع ہوا ہے۔

مراسلے میں فاروقی صاحب نے عبدالباری آسی کی مصنفہ ان غزلوں کا تذکرہ کیا ہے جنھیں نسخۂ عرشی میں شامل کیا گیا ہے۔ مگر ان غزلوں سے متعلق مولانا عرشی کا نوٹ حواشی صفحہ ۳۸۵ سے نقل نہیں ہوا جو درج ذیل ہے۔

"آسی مرحوم نے ان دونوں بیاضوں کو مستند کلام مان کر سارے کلام کو غالب کا تسلیم کرلیا ہے۔ مولانا نیاز فتح پوری اور جناب مجنوں گورکھپوری بھی انھیں غالب ہی کا مانتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کا رنگ وہی غالب کا مشہور و مسلم رنگ ہے۔

چونکہ ان دونوں بیاضوں میں معروف کی غزل

یا مجھے شبنم گریاں ہی بنایا ہوتا
ورنہ یارب گل خنداں ہی بنایا ہوتا

اور حافظ عبدالرحیم ضمیر عظیم آبادی کی غزل

بتائیں ہم تمہارے عارض و کاکل کو کیا سمجھے
اسے ہم سانپ سمجھے اور اسے من سانپ کا سمجھے

غالب کے نام سے مندرج ہیں۔ نیز پہلی بیاض کا مرتب مجہول محض ہے اور رنگ کلام کو شہادت میں پیش کرنا بے حد خطرناک ہے اس لئے میں اس کلام کو غالب کے تحقیقی کلام کا درجہ اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک کوئی مستند شہادت سامنے نہ آجائے۔"

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا عرشی کے نزدیک بھی آسی کا جعلی کلام مشکوک اور غیر مستند ہے۔ اس کے علاوہ اکبر علی خاں نے مرتبہ ضمیمہ نسخۂ عرشی میں یہ لکھا ہے۔

"چند غور طلب باتیں مجھے بھی عرض کرنا ہیں

(۱) پہلی یہ کہ غالب کا سفر رامپور اس عمر کا واقعہ ہے جب وہ بہت ضعیف و ناتواں تھے اور ان کے لئے اتنی کم مدت میں اتنی بڑی تعداد میں اشعار کہنا قریب بہ ناممکن تھا۔

(۲) دوسری یہ کہ ردیف ی کی اس میں دس غزلیں شامل ہیں جن کا التزام ان جیسے شخص سے مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ آسی صاحب نے اپنی شرح میں ایک ایسی غزل کو شریک نہیں کیا جو وہ پہلے نگار میں غالب کے نودریافت اور غیر مطبوعہ کلام کی حیثیت سے چھپوا چکے تھے نگار کے فروری ۱۹۳۰ء کے شمارے میں مذکورہ غزلیات میں سے چند غزلیں زیر عنوان "غالب کا غیر مطبوعہ کلام" شائع کی گئی تھیں ان غزلیات کی شرح مارچ ۱۹۳۱ء تک ابھی طباعت کی منزلوں سے گذر رہی تھی۔ اس لئے متروک غزل کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بعد میں ہاتھ آئی۔ معلوم نہیں آسی صاحب نے اس غزل کو کس خیال کے ماتحت شرح میں شامل نہیں کیا لیکن ان کا یہ عمل شک و شبہ میں اضافہ کرتا ہے۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ غالب اپنی ۲۱ غزلوں کو اور شرح کی متروک غزل کو شامل کرتے ہوئے ۲۲ غزلوں کو قطعاً بھول جائیں بعید از قیاس ہے ضمیمے کی آخری غزل "روائی کی نہ دی تقدیر نے قدرت کو منظوری" وہی متروکہ غزل ہے جو نگار میں چھپ چکی ہے۔"

ضمیمہ نسخۂ عرشی زادہ

دہلی۔ • شریف نقوی

دیوان غالب اور بجنوری

ہماری زبان بابت یکم جنوری ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹر ابو محمد سحر صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوبصورتی سے ڈاکٹر بجنوری کی پکڑ کی ہے۔ مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ میر کی عبارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر بجنوری نے اپنا مشہور جملہ تراشا ہے۔

اس تقریظ کا پہلا جملہ جو نقل ہوا ہے' وہ سمجھ میں نہیں آیا مکرم ڈاکٹر صاحب اس کا ترجمہ فرمادیں تو کرم ہوگا۔

دہلی۔ • مسعود احمد

انجمن کی خبریں

کارروائی میٹنگ مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو بنارس

۲۱ دسمبر کے جلسے میں مردم شماری کی بابت یہ طے ہوا تھا کہ بنارس کے ہر محلے میں انجمن ترقی اردو بنارس کی جانب سے ایک خاص جلسہ منعقد کیا جائے جس میں مردم شماری کے متعلق تفصیلی پروگرام مرتب کیا جائے اور عوام کو بیدار کرنے کی غرض سے ہر محلہ میں ایک برانچ مخصوص ذمہ داروں کی قائم کی جائے۔

چنانچہ ۳ جنوری ۷۱ء کو اردو بازار بنارس کینٹ میں زیر صدارت مولانا احمد مکرم اعظمی صاحب ایک خاص جلسہ منعقد ہوا جس میں مردم شماری میں مادری زبان کی اہمیت و ضرورت کو سمجھایا گیا اور بتایا گیا کہ اب ہر سرپرست خاندان کو یہ حق حاصل ہے کہ شمار کنندہ جب بروقت مردم شماری پرچہ کی خانہ پری کرے تو سرپرست کو اختیار ہے کہ وہ پرچہ کو دیکھ سکتا ہے اور خانہ پوری کی تصدیق پشت پرچہ پر دستخط کر کے کر سکتا ہے۔ اس کام کی نگرانی کے لئے ۲۰ ممبروں اور ایک کنوینر کا انتخاب ہوا جو بنگالی بازار، چترونیا کٹال، میانہ کٹال و کھجوری محلوں میں کام کریں گے۔ محلہ دیشھوری کٹال کے لئے ایک کنوینر اور دو ممبران فی الحال مقرر کئے گئے۔

رضاکار ایک نقشہ حسب ذیل خانوں کا مرتب کر کے دفتر انجمن کو بھیجیں گے اور ایک اپنے پاس رکھیں گے۔

(۱) نمبر مکان (۲) سرپرست کا نام (۳) اس مکان میں کتنے آدمیوں نے مادری زبان اردو لکھائی۔

جنرل سپروائزر الحاج مولانا احمد مکرم اعظمی صاحب موصوف مقرر کئے گئے۔ محبان اردو شہر و ضلع بنارس سے اپیل کی جاتی ہے کہ اپنے اپنے محلہ میں مردم شماری سے متعلق رضاکاروں کا انتخاب کر کے کام شروع کر دیں و ضروری یادداشت دفتر انجمن محلہ اندعابل بنارس کو روانہ فرما دیں۔

• داتا رسول سکریٹری

انجمن کے زیر اہتمام برہانپور میں اردو جلسہ

برہانپور (مدھیہ پردیش) انجمن ترقی اردو برہانپور کے زیر اہتمام مدرسہ قریشیہ کے ہال میں ایک اردو جلسہ فارسی اردو کے استاد شاعر حضرت ریاضی برہانپوری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سکریٹری انجمن اقبال نصیب نے آج کے اردو جلسہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ۱۰ مارچ سے نئی مردم شماری میں اپنی مادری زبان کے صحیح اندراج کی مہم کا آغاز شہروں اور دیہاتوں میں تندہی سے جاری کرنا ہے اس کے لئے آپ سب کے عملی تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ صدر انجمن مرزا ساز صاحب لکچرار نے بڑے اچھے انداز میں اردو دوستوں کو کام کے طریقے بتائے۔ صدیق اکبر صاحب نے گذشتہ مردم شماری کے تجربات اور آگے کے اقدامات کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ صدر انجمن نے جس کی تائید فرمائی۔ صدر جلسہ قبلہ ریاضی صاحب نے فرمایا۔ شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی یہ کام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آخر میں مردم شماری کمیٹی تشکیل پائی۔ جناب صدیق اکبر صاحب، محمد اظہر، کامریڈ محمود میر، ظہیر الدین میونسپل کونسلر، عزیز الدین، شیخ چاند میکانک، محمد نذیر صدر، محسن بھائی، عبد القیوم، رشید احمد بک سیلر، مظفر اشرفی، میر ناظم علی اور ملا محمد محسن صاحب کے علاوہ اراکین انجمن شامل ہیں۔

• اقبال نصیب سکریٹری

ضلعی مردم شماری کمیٹی رانچی کی تشکیل

رانچی، حلقۂ ادب رانچی، انجمن ترقی اردو، انجمن اسلامیہ رانچی کے علاوہ اہم سماجی کارکنوں کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب صغیر احمد ایڈوکیٹ منعقد ہوا۔ جس میں آئندہ مردم شماری اور اردو عوام کی ذمہ داری پر نہایت سنجیدگی سے غور کیا گیا آخر میں طے پایا کہ محلوں میں چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں ترتیب دی جائیں۔ پمفلٹ چھاپے جائیں اور دیہی علاقوں میں مردم شماری کمیٹی کی طرف سے نمائندے جائیں اور تحریری و تقریری طور پر مردم شماری کے مسئلہ اور اردو عوام کی ذمہ داری کو سمجھائیں اور شمار کاروں ENUMERATERS کے ساتھ ان کے کام میں سہولت پہنچانے کے لئے عملی تعاون کریں۔ اس سلسلہ میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں ۲۵ نمائندوں کے علاوہ صدر جناب صغیر احمد ایڈوکیٹ، نائب صدر جناب سلطان احمد، جناب عبد الصمد آرگنائزنگ سکریٹری جناب اسلم پرویز کا انتخاب بہ اتفاق رائے ہوا۔

• اسلم پرویز سکریٹری

مردم شماری سے متعلق انجمن ترقی اردو کی ذیلی کمیٹی

حیدرآباد۔ مردم شماری سے متعلق انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی جانب سے مقرر کردہ ذیلی کمیٹی حسب ذیل اراکین پر مشتمل ہے۔ جناب احمد علی خاں صدر، جناب حبیب الرحمن صاحب، جناب عابد علی خاں صاحب، ڈاکٹر حسینی شاہد، حکیم یوسف حسینی خاں صاحب اور جناب سریواس لاہوٹی (کنوینر)

• نامہ نگار

مردم شماری

لوک سبھا کے انتخابات کی وجہ سے مردم شماری کی تاریخوں میں ایک مہینے سے زیادہ کی توسیع ہو گئی ہے اس لئے اب اردو دوستوں کو وسیع پیمانے پر کام کرنے کے لئے کافی وقت مل گیا ہے اس دوران میں گاؤں گاؤں اور گھر گھر پھر کر ہر دفتر تک اردو کا پیغام پہنچانے میں اپنا فرض ادا کیجئے۔

اخبار و افکار

اردو تلنگانہ کی ثانوی زبان ہوگی "چنا ریڈی"

حیدرآباد۔ ڈاکٹر چنا ریڈی صدر نشین تلنگانہ پرجا سمیتی نے کہا ہے کہ علیحدہ ریاست تلنگانہ کی سرکاری زبان تلگو اور دوسری ثانوی زبان اردو ہوگی۔ ڈاکٹر چنا ریڈی سے آج مختلف استفسارات کئے گئے کہ تلنگانہ ریاست بن جانے کے بعد کیا ہوگا اور کس طرح کی پالیسی اختیار کی جائے گی۔ ڈاکٹر ریڈی نے کہا کہ تلنگانہ میں مختلف زبانیں بولنے والے مختلف مذاہب اور طبقات سے تعلق رکھنے والے رہتے ہیں۔ اس طرح تلنگانہ ایک چھوٹا ہندوستان ہے جس میں اتحاد و یکجہتی بھائی چارہ اور ہم آہنگی کو برقرار رکھا جائے گا اور اس معنیٰ میں وہ یکجہتی پسند ہیں۔ زرعی اصلاحات شہری جائیداد کی حد وغیرہ جیسے اہم مسائل پر کیا پالیسی اختیار کی جائے گی۔ اس بارے میں اس مرحلہ پر سب کچھ نہیں کہا جا سکتا ان مشکل اور پیچیدہ مسائل کا بغور اور مفصل جائزہ لینا ہوگا۔ لیکن یہ بنیادی بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ ان مسائل پر انداز فکر ترقی پسندانہ رہے گا۔ علیحدہ تلنگانہ کا مسئلہ معاشی نابرابری کی وجہ سے پیدا ہوا علاقائی اساس پر ایک علاقہ کے لوگوں کو پسماندہ اور کمزور بنایا جاتا رہا ہے ان کے حقوق سلب کئے جاتے رہے ہیں۔ • الجمعیۃ

پنجاب میں اردو کو ثانوی سرکاری زبان نہ بنایا جائے گا

چنڈی گڑھ: چیف منسٹر سردار پرکاش سنگھ بادل نے یہاں پر اعلان کیا کہ پنجاب میں اردو کو ثانوی زبان کا مقام نہ دیا جائے گا۔ ریاستی وزیر اطلاعات شری ترلوچن سنگھ نے ریاستی وزیر اعلیٰ کو ایک خط لکھ کر اس مطالبہ پر توجہ کی تھی۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ریاستی کابینہ کے صرف یہی ایک وزیر ہیں جو اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کے مطالبے کی حمایت کر رہے ہیں۔ • الجمعیۃ

لازمی تعلیم کے تحت اردو پڑھنے والوں کا نقصان

ترکمان گیٹ خاص دہلی ۲، ایم۔ سی۔ پرائمری اسکول میں گذشتہ سال چلڈرن ویلفیئر ایسوسی ایشن کی کوششوں سے جو اردو کی کلاسیں کھولی گئی تھیں، ان میں تعداد اور سیکشن کے مطابق محکمۂ تعلیم نے پچھلے سال سے ہی ماسٹر اور ماسٹرنی کا انتظام نہ کیا۔ اس کے علاوہ پچھلے سال سے ہی اردو پڑھنے والے بچے اور بچیوں کے بیٹھنے کا بھی کوئی معقول انتظام نہ کیا گیا۔ تمام بچے بچیاں جگہ کی تنگی کی وجہ سے گرمیوں میں تپتی دھوپ اور برسات میں بارش میں بیٹھتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے والدین نے اپنے بچوں کو گھر پر بٹھا لیا جبکہ وہ بچے لازمی تعلیم کے تحت آتے تھے۔ اس سال شروع سے ہی اردو پڑھنے والوں کا داخلہ اس بنا پر بند کیا گیا کہ اسکول میں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے جس سے بچوں کی ایک بڑی تعداد اپنی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہوگئی جو کہ ہر ہندوستانی کا بنیادی حق ہے۔

اس سلسلہ میں کئی مرتبہ افسران اعلیٰ سے علاقہ کے معزز حضرات کا وفد ملا اور ان کو تمام حالات سے آگاہ کیا جگہ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے چلڈرن ویلفیئر ایسوسی ایشن نے ناگرک سبھا ترکمان گیٹ خاص سے رجوع کرکے ان کی چوپال عارضی طور سے اسکول کے لئے محکمۂ تعلیم کو لکھ کر دلوا دی تاکہ اس جگہ پر ٹینٹ وغیرہ کا انتظام کرکے بچوں کے بیٹھنے کا انتظام کر دیا جائے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج تک کارپوریشن کے محکمۂ تعلیم نے اس طرف کچھ بھی توجہ نہ دی۔ افسران اعلیٰ کو سب باتوں کا بخوبی علم ہے لیکن پھر بھی وہ آج تک انتظام نہ کر سکے۔

اس وقت سیکشن کے حساب سے ایک اردو ایڈیڈ ٹیچر اور ایک اردو ٹیچر کی اسکول میں سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے لیکن محکمۂ تعلیم اس طرف بالکل توجہ نہیں دے رہا ہے جبکہ سال کا اختتام قریب ہے۔

لہٰذا ہم ترکمان گیٹ خاص کے باشندگان ان افسران اعلیٰ سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس طرف جلد از جلد توجہ دیں۔

• معزالدین قریشی

گورکھپور میں شعری نشست

"ادارۂ نئے فنکار" کے زیر اہتمام یہاں حال ہی میں انجم عرفانی کی رہائش گاہ پر ایک شعری نشست زیر صدارت ڈاکٹر محمود الٰہی صدر شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی منعقد ہوئی۔ بہت سے نامور شعرائے کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے گورکھپور کی ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور یہاں کے ارباب شعر و ادب کو مشورہ دیا کہ ایسی نشستوں کا بھی اہتمام ہونا چاہیے جس میں شعراء کے کلام پر تبادلۂ خیال کا بھی موقع مل سکے۔

• سید مجاہد حسین رضوی

دلی یونیورسٹی میں ڈاکٹر نارنگ کو استقبالیہ

پچھلے دنوں پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ڈاکٹر نارنگ کو ان کی امریکہ سے واپسی پر ایک استقبالیہ دیا گیا۔ جس میں شعبۂ اردو اور فارسی کے طلبہ و اساتذہ نے شرکت کی اور جس کی صدارت ڈاکٹر امیر حسن عابدی، صدر شعبۂ فارسی و عربی نے فرمائی۔

امریکہ میں اردو تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر نارنگ نے کہا کہ یوں تو اردو، ہندی امریکہ کی دس بارہ یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں لیکن زیادہ توجہ ابتدائی درس پر صرف کی جاتی ہے اور ادبیات سے کوئی تعلق نہیں رکھا جاتا۔ امریکہ میں اردو ادب کی تعلیم کے مرکز صحیح معنوں میں صرف دو ہیں، وسکانسن اور شکاگو۔ وسکانسن میں اس وقت اردو ادب کے عام کورسز کے علاوہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی تعلیم کا انتظام بھی ہے اور تین طالب علم اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے مکمل کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر نارنگ نے بتایا کہ ان کی کتاب ریڈنگز ان لٹریری اردو پروز کا دوسرا ایڈیشن وسکانسن یونیورسٹی پریس نے ۱۹۶۸ء میں شایع کیا۔ اس کے علاوہ بشمول اردو ساؤنڈز اینڈ اسکرپٹ کے ان کی چار نصابی کتابوں کا سلسلہ شعبۂ علوم ہند نے شائع کیا ہے۔ یہ کتابیں امریکہ اور یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں اردو پڑھانے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

امریکہ کے تعلیمی نظام اور نوجوانوں کی برہمی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر نارنگ نے کہا کہ جس سماجی انقلاب کا تصور طلبہ میں مقبول ہے وہ اب کوئی تصوراتی چیز نہیں رہا، بلکہ لاکھوں نوجوان عملی طور پر اسے آزما رہے ہیں۔ امریکی سماج کی مثال اب ایک ایسی CRYSTAL BALL کی سی ہے جس میں جگہ جگہ شگاف پڑ گئے ہوں۔ عام طور پر نوجوان اپنے آپ کو ریڈیکل سمجھتے ہیں اکثر نوجوان کے جرمن فلاسفر مارکوس سے متاثر ہیں۔ ان کا سب سے بڑا اختلاف با اقتدار طبقہ سے ہے، جس کا ڈھانچہ تین بنیادوں پر قائم ہے حصول دولت، حصول طاقت، اور حصول ساز و سامان۔ ان کے نزدیک پورے معاشرے کو اس طبقہ نے مقابلے کی ایسی اندھی دوڑ میں جھونک دیا ہے جو کبھی ختم ہی نہیں ہوتی۔ آزاد انسان معنوناً کا غلام ہو کر رہ گیا ہے جو اس کی ہوس کی آگ کو بجھا اس طرح سے بھڑکاتی ہے کہ یہ آگ کبھی بجھ نہیں سکتی۔

انسان کی سب سے بڑی ضرورت اس وقت مقابلے کی دوڑ سے آزاد ہو کر ذہن کو صاف کرنا ہے۔ دھیان اور یوگ کے مختلف ہندوستانی طریقوں پر جو توجہ کی جاتی ہے اس کی نوعیت بھی یہی ہے ڈاکٹر نارنگ نے مزید بتایا کہ ان دنوں امریکہ کا سب سے بڑا مسئلہ فاضل مادہ پر قابو پانے کا ہے جس سے بے تحاشا گندگی پھیل رہی ہے۔ ملک کے کئی دریا اور جھیلیں مردہ ہو کر رہ گئے ہیں اور فضا روز بروز مسموم ہوتی جاتی ہے۔ اس کی وجہ اشیائے خوردنی اور روزمرہ زندگی کے سامان کی افراط ہے۔

امریکہ کی آبادی دنیا کا پندرہ فی صد ہے، لیکن امریکہ دنیا کی ۳۵ فی صد پیداوار کا استعمال کرتا ہے ایک عام امریکی بچہ ایک عام ہندوستانی بچہ کی نسبت زمین کے پیداواری ذرائع پر پچیس سو گنا زیادہ بوجھ ڈالتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں مچھلی کی کل پیداوار کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ امریکہ میں محض کتوں، بلیوں اور پالتو جانوروں کو کھلانے پر صرف ہوتا ہے۔ نوجوان طبقہ کامیابی کی اندھی دوڑ میں جتے ہوئے اس نظام میں بنیادی تبدیلی لانا چاہتا ہے جو اپنی منفعت کی خاطر فضائی گندگی پھیلانے کا ذمہ دار ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے آگے چل کر بتایا کہ امریکی سماج جس بےچینی اور اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے وہی وہاں کے عصری ادب میں بھی ملتی ہے۔ ایلن گنز برگ اور گری سنائیڈر سے لے کر فلپ وھیلن، ولیم سٹیفرڈ، جان بیری من اور جیمس رائٹ تک ساری شاعری ایک ایسے ذہنی انتشار اور ہیجانی کیفیت کو پیش کرتی ہے جو کسی بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ موجودہ نوجوان شاعروں میں کسی میں عظمت کے نشان تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ رابرٹ ڈنکن میں البتہ بڑا شاعر بننے کی صلاحیت

موجود ہے۔

آخر میں ڈاکٹر نارنگ نے امریکہ کی جدید نظموں کے چند ترجمے بطور تونہ پڑھ کر سنائے جن پر بحث ہوئی۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ وسکانسن میں ان کا کام دو آدمیوں کو تفویض ہوا ہے۔ اردو کے کورسز ان کی شاگرد نزلی فلینگ پڑھائیں گی اور فارسی کے لئے کیلی فورنیا یونی ورسٹی کے محمد عمر میمن کا تقرر ہوا ہے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اس بار انھوں نے یونسکو کے لئے اردو افسانوں کی انتھالوجی مرتب کی ہے جو چار سو صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ہندوستان اور پاکستان کے تیس افسانہ نگاروں کی تخلیقات شامل ہیں۔ یہ لنڈن اور نیویارک دونوں جگہ سے شائع ہوگی۔ اس کے علاوہ انھوں نے پروفیسر ڈونلڈ بیکر کے ساتھ مل کر اردو کی GENERATIVE صوتیات پر بھی کام کیا ہے۔ جو ہندوستانی زبانوں کے تعلق سے اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے اور جو عنقریب لسانیات کے چوٹی کے رسالے LANGUAGE میں شائع ہوگا۔ جلسہ جناب شریف احمد، جناب جاوید وششٹ اور ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کی تقریروں کے ساتھ ختم ہوا۔

• سید حسن مصطفیٰ زیدی سکریٹری

شام سخنوراں

مدراس یونی ورسٹی ایگز امینیشن ہال میں نیشنل بک ٹرسٹ (انڈیا) کے چوتھے قومی میلے کے دوران شام اردو عظیم الشان پیمانے پر منائی گئی۔

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی (صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی) ڈاکٹر محمد حسن (ریڈر اردو دہلی یونی ورسٹی) اور ممتاز ترقی پسند شاعر علی سردار جعفری نے اپنے فن اور زندگی کے بارے میں نوٹس پڑھے اور تقریریں کیں۔ حیات و کائنات اور فن کا رشتہ تینوں ادیبوں کا مرکزی موضوع تھا۔ اس کے بعد شعری نشست بھی منعقد ہوئی جس میں علی سردار جعفری، کاوش بدری، راز امتیاز اور بدر جمالی نے حصہ لیا۔ فرحت کیفی کی ایک غزل مشہور فلمی گلوکار پی۔ بی سرینواس نے سنائی۔ موصوف نے اردو زبان کے بارے میں بھی اپنے منظوم تاثرات سنائے۔ معزز مہمانوں سے بعض حضرات نے اردو رسم الخط اور زبان کے مسائل پر چند سوالات بھی کئے۔

• کاوش بدری

ادبی سنگم بمبئی

"ادبی سنگم" بمبئی کا ماہانہ جلسہ حضرت احسن رضوی کی صدارت میں ۱۰ جنوری کو محبوبی بلڈنگ، نیشپا پارک میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی ابتدا جناب قیصر عثمانی کی ایک مختصر تقریر سے ہوئی جس میں انھوں نے اردو کے مشہور صحافی، شاعر اور نقاد حضرت آغا خلش کاشمیری

مرحوم کے شعری فن اور حالات زندگی پر روشنی ڈالی۔ پھر اس کے بعد ایک منٹ کی مکمل خاموشی اختیار کرکے حاضرین نے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔

• نامہ نگار

اردو ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن کا قیام

منگلور پرجا۔ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جناب سید شہاب تانگل نے صدارت فرمائی۔ جناب ایس۔ ایم سرور صاحب جناب ایم۔ جاوو صاحب، جناب سی۔ ایچ۔ احمد کٹی صاحب وغیرہ اصحاب نے اردو کی ترویج و اشاعت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تقریریں کیں۔ کئی قرار دادیں منظور ہوئیں۔ اردو کے ساتھ ناانصافی کی روش ختم کرکے سکولوں اور کالجوں میں اردو تعلیم کا باقاعدہ انتظام کرنے کے لئے مرکزی حکومت سے اپیل کرنا۔ سٹیٹ کے یو۔ پی۔ ایل۔ پی اور ہائی اسکولوں میں جہاں کم سے کم دس طلبہ اردو پڑھنے کے خواہش مند موجود ہوں اردو معلم مقرر کرنے کا صوبائی حکومت سے مطالبہ کرنا۔ ایک خاص اردو کالج قائم کرنے کی طرف محبان اردو کی توجہ مبذول کرانا وغیرہ قراردادوں کا ماحصل ہے۔

• نامہ نگار

حلقۂ ارباب فکر کا خصوصی مشاعرہ

حلقۂ ارباب فکر کی ایک خصوصی نشست جناب اندرجیت لال کے یونیسکو اور حکومت ہند سے ادبی انعام پانے پر مبارکباد دینے کے لئے جناب شمیم کرہانی کے مکان پر منعقد ہوئی۔ جس میں مشہور شعراء مثلاً فرحت کاکوروی، شمیم کرہانی، جاوید وششٹ، شمیم عثمانی، غلام ربانی، رضا اردوی، مختار دہلوی، ڈی۔ ایس۔ دگل نے شرکت کی۔ ایک خاص قرارداد کے ذریعہ جناب اندرجیت لال کو تہنیت پیش کی گئی۔ اس کے بعد طرحی مشاعرہ ہوا۔

• سکریٹری

ادارۂ برگ آوارہ کے زیر اہتمام مشاعرہ

ادارۂ برگ آوارہ و شالیمار پبلیکیشنز کے زیر اہتمام بمقام "ترانہ" ایک عظیم الشان مشاعرہ اور محفل موسیقی کا انعقاد عمل میں آیا جس میں حیدرآباد کے جواں سال شاعر نقی علی خاں ثاقب کا خیر مقدم کیا گیا۔

مدیر ہفت روزہ برگ آوارہ و شالیمار پبلیکیشنز کے مالک محمود خاور نے ثاقب کو ان کے دوسرے مجموعۂ کلام "کتاب سحر" (ناشر شالیمار پبلیکیشنز) کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہوئے گلپوشی فرمائی۔ مشاعرہ میں ہند و پاک کے نمائندہ شعرائے کرام نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا۔

مشاعرے کے بعد "ترانہ موسائٹی" کے مختلف فنکاروں نے محفل موسیقی کو گرمایا اور ممتاز گلوکار محترمہ فریدہ نے ساز پر غزلیں سنائیں۔ • سید احمد

جے پور میں مولوی احترام الدین احمد شاغل کا انتقال

انجمن کے حلقوں میں اس خبر سے رنج و غم کی لہر دوڑ جائے گی کہ انجمن ترقی اردو راجستھان کے جنرل سکریٹری مولوی احترام الدین احمد شاغل کچھ دنوں علیل رہنے کے بعد ۱۸ رجنوری کو جے پور میں راہی عالم بقا ہو گئے۔ جے پور میں انجمن کے قیام سے لے کر آخر دم تک آپ کا تعلق انجمن سے رہا ہے۔ آپ انجمن کے بڑے سرگرم کارکنوں میں سے تھے۔ راجستھان میں اردو کی ترقی و بقا کے لئے مرحوم آخر وقت تک مصروف کار رہے۔

انجمن کی آخری کل ہند اردو کانفرنس اکتوبر ۱۹۶۷ء میں آپ کے ہی زیر انتظام جے پور میں منعقد ہوئی تھی۔ مرحوم ایک نامور شاعر اور ممتاز ادیب بھی تھے۔ انجمن کے زیر اہتمام آپ کی دو کتابیں تذکرہ شعرائے جے پور اور صحیفۂ خوشنویسان شائع ہو چکی ہیں۔ حال ہی میں آپ کا ایک مجموعۂ کلام دیوان شاغل کے نام سے شائع ہوا ہے۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حق مغفرت کرے بڑا آزاد مرد تھا۔

ادارہ مرحوم کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہے اور ان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ • ادارہ

اردو کے ممتاز شاعر روش صدیقی کا اچانک انتقال

شاہجہاں پور، اردو کے ممتاز شاعر روش صدیقی صاحب کا ۲۳ رجنوری کو یہاں انتقال ہو گیا۔ ان پر شدید قلبی دورہ ایک مشاعرہ میں شرکت کے دوران پڑا جس کی وہ تاب نہ لا سکے اور انتقال کر گئے۔ روش صدیقی صاحب گاندھی فیض عام کالج کے مشاعرے میں شرکت کے لئے یہاں آئے تھے۔ ان کی عمر ۶۱ سال تھی۔

ایک کلی خوشی اطلاع کے بموجب روش صاحب مشاعرے کے اختتام پر غزل پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ ان کو فوراً کالج کے اسٹاف روم میں لے جایا گیا۔ مشاعرے میں دو ڈاکٹر موجود تھے ایک اور ڈاکٹر کو بھی طلب کیا گیا لیکن اس کے آتے آتے ساڑھے چار بجے کے قریب روش صاحب کا انتقال ہو گیا۔

روش صدیقی اردو کے ممتاز نمائندہ غزل گو شاعر تھے۔ جگر مرادآبادی مرحوم کے خاص احباب میں تھے۔ انھوں نے مومن، حسرت، اصغر اور جگر کی خالص غزل اور تغزل کی روایت کو پورے رکھ رکھاؤ کے ساتھ برتا تھا جب اردو کی جدید شاعری کا آغاز رومانوی تحریک کے ساتھ ہوا تو روش صدیقی نے اختر شیرانی کے بعد جوش اور ساغر نظامی کی طرح نظم نگاری کے فن کو آگے بڑھانے اور مقبول بنانے میں نمایاں حصہ ادا کیا۔

ان کی غزلوں کا ایک نمائندہ مجموعہ "محراب غزل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ نے بھی ان کا ایک شعری انتخاب شائع کیا تھا۔

مرحوم روش صدیقی نہ صرف بہت اچھے شاعر تھے بلکہ بہترین دوست، وضعدار، منکسر المزاج اور قدیم روایات کے امین تھے ان کے انتقال سے ادب کی ثقہ روایات کا ایک اور نمائندہ اٹھ گیا۔ • قومی آواز

سید عابد علی عابد کا لاہور میں انتقال

لاہور۔ اردو کے ادیب، شاعر، نقاد اور استاد میر عابد علی عابد کا ۲۰ رجنوری کو ۶۵ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

وہ نثر و نظم دونوں میدانوں کے شہسوار تھے اور اسی کے ساتھ ایک بہت ہی اچھے مترجم بھی تھے ان کے لازوال ترجموں میں فرانسیسی ادیب پیر لوئی کی "افروڈائٹ" اور روسی ادیب الگزینڈر کپرن کی "یاما" کے نفیس ترجمے شامل ہیں۔

سید عابد علی عابد ریڈیو پاکستان سے بھی وابستہ رہے تھے وہ زندگی بھر شاعری کرتے رہے اور اپنے شاگردوں کے مجموعۂ کلام اصرار کے ساتھ شائع کراتے رہے لیکن انھوں نے اپنا صرف ایک مجموعۂ کلام چھوڑا۔

سید عابد علی عابد مجلس ترقی ادب کے سہ ماہی ادبی و تحقیقی جریدہ صحیفہ کے ایڈیٹر تھے۔ ان کے ڈراموں مجموعہ ید بیضا کی ادبی حلقوں میں کافی شہرت ہے۔ مرحوم کی کلاسیکی ادب پر بڑی گہری نظر تھی پاکستان کے سب سے بڑے رسالہ نقوش لاہور کے بنانے اور سنوارنے میں سید صاحب کا بہت ہاتھ رہا ہے۔

• قومی آواز

ڈاکٹر حسنین شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی کے صدر

ڈاکٹر سید محمد حسنین کو شعبۂ اردو مگدھ یونیورسٹی کا صدر اور ریڈر مقرر کیا گیا۔ اس بات کا فیصلہ اراکین سنڈیکیٹ نے اپنی ۱۰-۱-۷۱ کی نشست میں کیا۔ ڈاکٹر سید محمد حسنین بہار میں اردو کے پہلے ڈاکٹر ہیں۔ آپ ہند و پاک کے مشہور انشائیہ نگاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ • رضی احمد گیا

ڈاکٹر مسعود حسین خاں

میرا صفحہ

اردو کا مینی فیسٹو

الکشن کا موسم ہے، ہنگام باد آورد ہے، ووٹ دہندوں کے لئے ہر سیاسی جماعت اپنے اپنے حیلۂ شب خون کی تلاش میں ہے۔ اعلانات، منشورات کی دھوم دھام ہے۔ چند ہی روز قبل آل انڈیا ریڈیو نے یہ خبر لہرائی کہ جن سنگھ نے اپنے مینی فیسٹو میں اردو کے لئے کلمۂ خیر کہا ہے یعنی وہ یوپی اور بہار میں ثانوی زبان تو نہیں بنائی جا سکتی تاہم جن سنگھ اردو کی ترقی کا خواہشمند ہے۔ چلئے "بھارتیہ کرن" کا نعرہ لگانے والے یہاں تک تو آگئے۔ سیاسی سودے بازی کے اس دور میں کیا ہرج ہے۔ اگر ایک اور مینی فیسٹو شائع کر دیا جائے — اردو کا مینی فیسٹو!

اردو ہندوستان کی ایک وسیع زبان ہے، کیا باعتبار آبادی اور کیا باعتبار تاریخی اہمیت۔ آزادی کے بعد کے ۲۲ سالوں میں اس کے ساتھ مسلسل ناانصافی ہوتی رہی ہے، ان لوگوں کی جانب سے بھی جو اس کے صدق دل سے مخالف ہیں اور ان لوگوں کی طرف سے بھی جو اس کی صرف تصدیق باللسان کرتے رہے ہیں۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم سے اس کی جڑیں اس طرح کاٹ دی گئیں کہ آج اعلیٰ تعلیم کا کوئی ادارہ اس موقف میں نہیں کہ اس کو ذریعہ تعلیم بنا سکے، تاہم اس زبان کو ایک کروڑ روپے کے سرمایے سے نوازا گیا ہے تاکہ اعلیٰ تعلیم کی درسی کتب اس زبان میں بھی تیار ہو سکیں!

کرم نما ستم کی یہ داستان دلفریب بھی ہے اور عبرتناک بھی۔ اردو کے تحفظ و بقا کا دارومدار ستم و کرم سے بالاتر صرف سیاسی طاقت پر منحصر ہے اور اس سیاسی طاقت کا منبع و سرچشمہ جمہوریت میں کاغذ کا وہ ٹکڑا ہے جسے ووٹ کہتے ہیں۔ اردو والوں کو اس موقع پر اس کا استعمال نہایت سمجھداری سے کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ووٹ صرف ایسے امیدواروں کے لئے محفوظ رہنا چاہیے جو اردو کو اس کا دستوری حق دلانے کے لئے حسب ذیل باتوں کے قائل ہوں:

(۱) یوپی، بہار، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، میسور اور دہلی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دی جائے۔

(۲) اردو کے ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں کے قیام کی ذمہ داری ریاستی سرکاروں پر اسی طرح ہو جس طرح ریاست کی پہلی زبان کے سلسلے میں تسلیم کی جاتی ہے۔

(۳) ان ریاستوں میں اس مقصد کے لئے وزارت و نظامت تعلیمات میں اردو کے لئے علیحدہ شعبے قائم کئے جائیں۔

(۴) ہندی کی ریاستوں میں اردو، سنسکرت کی بجائے سہ لسانی فارمولے میں ایک زبان کی حیثیت سے داخل فہرست کی جائے۔

(۵) اردو کے خاص خاص مراکز میں اردو یونیورسٹیاں قائم کی جائیں جنھیں اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اردو کالجوں کا تعلیمی و امتحانی اغراض کے لئے الحاق کر سکیں۔

(۶) مرکزی وزارت تعلیم کی نگرانی میں دہلی میں ایک ایسا کل ہند اردو ادارہ قائم کیا جائے جو اردو زبان کی ان ضروریات کو پورا کرے جنھیں ریاستی سرکاریں نہیں کر سکتیں۔

▲

صفحہ ۳ سے آگے

کے مضامین انشائیہ کے اچھے نمونے ہیں مگر شاعرانہ طرز تحریر کے خلاف ہیں۔ پہلے ایک پیراگراف میں ایک مضمون مشکل سے بیان ہوتا تھا حتیٰ کہ دفتری مراسلات بھی اس ژولیدہ بیانی کی زد میں تھے۔ داستانیں اس کی اسیر تھیں۔ تاریخیں اس میں کھوئی ہوئی تھیں۔ اخبار اور رسائل اس کے شیفتہ تھے سر سید نے سب کو اس آشفتہ بیانی سے نکالا، تازہ ہوا اور سنجیدہ ماحول سے روشناس کرایا۔ تہذیب الاخلاق کے مضامین محض ثقافت شیشے نہ تھے بلکہ فکر کے نئے پیمانے تھے۔ جدید ادبی تحریروں اور تحریکوں پر اس کی توانائی اور تازگی کا اثر آج بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آج ہر جملے سے جو معنی کا مطالبہ ہوتا ہے اور تکرار کو تحریر کے بڑے عیبوں میں شمار کیا جاتا ہے، غور اور تحقیق نے روایت اور فسانہ پرستی کے طلسم کو جس طرح فتح کیا ہے یہ بہت کچھ تہذیب الاخلاق کی دین ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ ● پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L. 922　فون نمبر ۲۹　R. NO. 2186/57